بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

"حقوق نسواں کمیٹی برائے پاکستان" کی رپورٹ پر بحث و نظر کے دوران گذشتہ ماہ کے اشارات میں یہ بات اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے کہ رپورٹ کی دفعہ ۳۵ میں جو سفارش تجویز کی گئی ہے اس میں بیوی کو یہ حق بخشا جا رہا ہے کہ وہ جب چاہے اپنے شوہر کو طلاق دینے کا فیصلہ کرے۔ اس کے بعد جب وہ یونین کونسل کے چیئرمین یا عائلی عدالت کے صدر کو نوٹس دے گی تو محض اس غرض سے دے گی کہ صدرِ عدالت اُس معاوضے کی مقدار کا تعین کرے جو بیوی شوہر کو ادا کرے گی اور ہو سکتا ہے کہ عدالت یہی فیصلہ دے کہ بیوی ایک پیسہ بھی ادا نہ کرے۔ اس کے بعد جس مصالحتی کارروائی کا ذکر اس سفارش میں کیا گیا ہے اس کے متعلق بھی ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ وہ ایک غیر ضروری تکلف و نمائش ہے۔ کیونکہ اس میں عدالت کے ہاتھ ایسے باندھ دیے گئے ہیں کہ عورت کی طرف سے جو پیش قدمی کی جا رہی ہو، خواہ اُسے خلع یا تفریقِ نکاح کا مطالبہ کہا جائے، اس میں عدالت اس مسئلے پر تو غور ہی نہیں کر سکے گی کہ عورت کا یہ اقدام کوئی شرعی و قانونی جواز اپنے اندر رکھتا ہے یا نہیں، بلکہ عدالت کا کام بس ازالۂ نکاح کے لیے راستہ صاف اور ہموار کرنا ہوگا۔ مصالحتی کارروائی یہاں بالکل بے معنی اور شرعاً ناجائز ہے۔ تمام علمائے اُمت اور فقہائے سلف نے اسی رائے کو اختیار فرمایا ہے کہ خلع و تفریق میں نکاح کے زائل کرنے کا مطالبہ چونکہ عورت کی جانب سے ہوتا ہے اس لیے عورت کے خلع قبول کر لینے یا عدالتی فیصلے کے قطعی ہو جانے کے بعد رجعت و مصالحت کا امکان باقی نہیں رہتا اور طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ رپورٹ دفعہ ۳۵ کی رو سے فیملی لاز آرڈی ننس کی دفعہ ۸ میں جو ترمیم وضع کی جا رہی ہے اور اس میں جس عدالتی کارروائی کی گنجائش رکھی جا رہی ہے اس کا مقصد و مصرف فقط یہ ہے کہ عورت فسخِ نکاح کا جو پروانہ نوٹس کی شکل میں عدالت کے نام ارسال کر دے، عدالت اسے یک طرفہ ڈگری شمار کر کے اس کی تعمیل کا فریضہ انجام دے۔

مزید دلچسپ اور عجیب و غریب بات یہ ہے کہ اس تجویز میں بیوی کو اس امر کا بھی مکلف نہیں کیا گیا کہ اس کے دل میں جب "اپنے شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کی طلب" پیدا ہو تو وہ اس کا اظہار اپنے شوہر سے بھی کرے یا جو نوٹس چیئرمین کو روانہ کیا جائے گا اس کی نقل ہی شوہر کو مہیا کرنے کی زحمت گوارا کرے۔ بیوی کا خطاب براہِ راست عدالت سے ہوگا کہ وہ بس اس معاوضہ کا تعین کر دے جو شوہر کو ادا کیا جائے گا۔ اس کے بعد جب عدالت کارروائی کرے گی تو شوہر کو پتہ چلے گا کہ بیوی کے نوٹس پر قانون حرکت میں آچکا ہے اور مصالحتی کارروائی کے ناکام ہونے کی صورت میں نوٹس کی تاریخ سے نوّے۹۰ دن یا وضع حمل کے بعد (جو واقعہ بھی بعد میں رونما ہو اس کے اختتام پر) نکاح فسخ ہو جائے گا۔ عورت کے نوٹس کے نوّے۹۰ دن بعد یا وضع حمل پر نکاح کالعدم ہونے کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ کمیٹی اس نوٹس کو عورت کی طرف سے طلاق کا قائم مقام بلکہ طلاق سے بھی بڑھ کر سریع الاثر قرار دے رہی ہے کیونکہ غیر حاملہ مطلقہ کی عدت بھی تین ایام ماہواری کے اختتام تک باقی رہتی ہے جس کی مدت بعض اوقات نوّے۹۰ دن سے زائد ہوتی ہے۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس فسخ نکاح کے بعد صرف ایک مرتبہ اپیل کا حق دیا گیا ہے، چنانچہ دفعہ ۳۵ کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"کمیٹی مزید سفارش کرتی ہے کہ خلع کے لیے معاوضہ متعین کرنے کے معاملے میں ایک اپیل کا حق ہونا چاہیے"۔

اس فقرے کی خط کشیدہ عبارت یہ صاف ظاہر کر رہی ہے کہ دفعہ ۳۵ کے تحت عدالت کا اصل کام یہ دیکھنا نہ ہوگا کہ عورت خلع کا مطالبہ کرنے (یا یوں کہیے کہ فیصلہ کرنے) میں حق بجانب ہے یا نہیں، بلکہ عدالت فسخ نکاح کی تو رسمی توثیق لازماً کر دے گی، البتہ اس کے بعد وہ محض یہ طے کرے گی کہ خاوند کو کچھ معاوضہ دلایا جائے یا نہیں اور دلایا جائے تو اس کی مقدار کیا ہو۔ اپیل اگر ہوگی تو اسی تعیینِ مقدار کے خلاف ہوگی۔ تنسیخ نکاح یا خلع کے جائز و مناسب ہونے، نہ ہونے کا مسئلہ نہ نچلی عدالت میں تنقیح طلب ہوگا، نہ بالائی عدالتِ مرافعہ میں۔

دفعہ ۳۵ پر ضروری حد تک بحث کے بعد اب ہم اُن دفعات کا جائزہ لیں گے جن میں کمیٹی نے اپنے خیال

کے مطابق خواتین کے مالی حقوق و مفادات کے تحفظ کی کوشش کی ہے۔ اس کی عملی صورت دفعہ ۳۵ میں پیش کی گئی ہے جو درج ذیل ہے[1]:

"کمیٹی یہ محسوس کرتی ہے کہ اگر قانون میں اس مضمون کا کوئی حکم وضع کر دیا جائے تو اس سے اُن عورتوں کی حالت بہتر بنانے میں بہت مدد ملے گی جو طلاق کے بعد مفلس و بے نوا ہو جاتی ہیں۔ اس پر غور کیا گیا ہے کہ طلاق کے بعد شوہر کی زوجہ کو مہر ادا کرنے اور جہیز واپس کرنے کی دیوانی ذمہ داری کے علاوہ شوہر کو فوجداری مقدمہ قائم کیے جانے کا مستوجب بھی ٹھہرایا جائے اگر وہ مہر کی ادائیگی یا جہیز کی واپسی سے قاصر رہے۔ لہذا کمیٹی سفارش کرتی ہے کہ:

طلاق مؤثر ہونے پر اگر شوہر ایک ماہ کے اندر مہر ادا نہ کرے اور/ یا اس کا جہیز واپس نہ کرے تو اسے تین ماہ کی مدت تک کے لیے قید محض یا جرمانہ دونوں سزاؤں کا مستوجب قرار دیا جائے۔"

اس دفعہ پر اظہار خیال سے قبل ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ شرعاً یہ امر سخت ناپسندیدہ اور قابل اعتراض ہے کہ عورت کے مہر کی ادائی میں لیت و لعل سے کام لیا جائے اور اُسے طلاق یا وفات تک مؤخر کر دیا جائے۔ اسی طرح بلا کسی معقول عذر شرعی کے طلاق کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال و مباح امور میں اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مبغوض و مذموم قرار دیا ہے۔ لیکن اس صورت حال کی روک تھام کے لیے جو تدبیر کمیٹی نے سوچی ہے وہ بھی اپنے اندر بعض قباحتیں اور پیچیدگیاں رکھتی ہے۔ مسلمانوں کی معاشرتی اور عائلی زندگی میں بے شمار غیر اسلامی رسوم و رواجات نے جڑ پکڑ لی ہے۔ جب تک ان سب کو نگاہ میں رکھ کر کوئی انسدادی اقدام نہ اختیار کیا جائے کسی ایک قانون سے اصلاح حال ممکن نہیں ہے۔ مثلاً اسی مہر ہی کے مسئلے کو لیجیے۔ اس میں افراط و تفریط کا یہ عالم ہے کہ بعض لوگ تیس بتیس روپے کو شرعی مہر سمجھ کر بس اتنا ہی مہر مقرر کرتے ہیں۔ بعض زوجین

---

[1] یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اب تک کی بحث میں ہم نے انگریزی میں شائع شدہ رپورٹ پر انحصار کیا ہے۔ اب ہمیں حکومت پاکستان، وزارت قانون و پارلیمانی امور کی شائع کردہ ایک اردو رپورٹ بھی دستیاب ہوئی ہے جس کی زبان انتہائی ناقص ہے۔ لیکن آئندہ بحث میں حتی الامکان اسی کو نقل کیا گیا ہے۔ قارئین اگر عبارت میں کوئی بے ربطی یا اُلجھاؤ محسوس کریں تو اس کی ذمہ داری ہم پر نہ ڈالیں۔

کے معاشی و معاشرتی حالات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کے نمائشی مہر مقرر کر دیتے ہیں اور فریقین کے اولیا و اعزہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ جتنا مہر چاہو باندھ دو، کون دیتا کون لیتا ہے؟ اس طرح کے بے شمار بھاری بھر کم مہر ایسے ہیں جو ابھی تک واجب الادا ہیں اور جن کا اندراج دستاویزات یا نکاح خوانوں کے رجسٹروں میں موجود ہے۔ ہمارے نزدیک یہ مہر بلاشبہ ادا ہونے چاہییں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ طلاق کی صورت میں ان کی عدم ادائیگی کو اگر ایسا فوجداری جرم بنا دیا گیا جس کی سزا تین ماہ قید بھی ہو سکتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ناچاقی کی صورت میں خاوند طلاق دینے کے بجائے بیویوں کو معلق رکھ چھوڑیں گے۔ اس لیے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں جو قانون بھی بنایا جائے اس کا اطلاق ان نکاحوں پر نہ ہونا چاہیے جو نفاذِ قانون سے پہلے منعقد ہو چکے ہیں۔ آئندہ کے لیے اگر عدم ادائی مہر کو فوجداری جرم بنانا ہو تو نکاح ناموں میں اس جرم کی فوجداری نوعیت اور اس کی سزا کو نمایاں طور پر درج ہونا چاہیے اور نکاح خوانوں کو ہدایت کی جانی چاہیے کہ وہ اس اندراج کو نکاح باندھنے سے پہلے مجلس ایجاب و قبول میں پڑھ کر سنا دیں، اور یہ واضح کر دیں کہ ناچاقی کی صورت میں علیحدگی ہونے پر اگر ایک مہینے کے اندر مہر ادا نہ کیا گیا تو شوہر کو جیل جانا ہوگا۔

رپورٹ کی دفعہ ۳۸ میں مجوزہ سفارش کا دوسرا قابلِ اعتراض پہلو یہ ہے کہ اس میں مہر کی عدم ادائیگی کے ساتھ ساتھ "جہیز کی واپسی" کو بھی جرم فوجداری مستلزم سزا قرار دے دیا گیا ہے، گویا کہ یہ بات آپ سے آپ فرض کر لی گئی ہے کہ جہیز جتنا اور جس صورت میں بھی بیوی کو دیا گیا ہو وہ ہمیشہ شوہر ہی کے قبضے میں رہے گا اور اس کی بلا کم و کاست واپسی کی قانونی ذمہ داری شوہر پر ہوگی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ علی الاطلاق یہ مفروضہ قائم کر لینا اور اس کے بل پر جہیز واپس نہ کرنے کو جرم بنا دینا خاوندوں کے ساتھ صریح زیادتی ہے۔ جہاں تک مہر کا تعلق ہے، یہ بلاشبہ بیوی کا ایک مالی حق ہے جو خاوند کے ذمے بہر صورت واجب ہے اور اسے انعقادِ نکاح کے وقت ہی ادا ہو جانا چاہیے۔ اُس وقت ادا نہ ہو تو عورت جب چاہے اسے طلب کر سکتی ہے اور قانون سے بھی اعانت حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن جہیز کوئی ایسی شے نہیں جو ہر حالت میں شوہر ہی کے تصرف میں رہے اور وہ مدت العمر اس کی بجنسہٖ واپسی کا ذمہ دار ہو۔ جہیز بالعموم اشیائے منقولہ مثلاً برتن، نقدی، زیور، پارچات، فرنیچر وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے جو بیوی کے زیرِ استعمال رہتی ہیں اور وہ اپنی اصل حالت و مقدار کے مطابق باقی نہیں رہ سکتیں۔ عورت انہیں جہاں چاہے لے جا سکتی ہے، جسے چاہے دے سکتی ہے، اپنے میکے لے جا کر رکھ سکتی

ہے۔ ایسی بیوی شاید ہی مل سکے گی جو پورا جہیز خاوند کے حوالے کر دے اور ایسا خاوند مشکل ہی سے دستیاب ہوگا جو بیوی کا سارا جہیز صندوق یا کمرے میں مقفل کر دے اور بیوی کو ہاتھ تک نہ لگانے دے اور نہ خود کسی چیز کو ہاتھ لگائے، حتٰی کہ خدانخواستہ طلاق کی نوبت آجائے اور جرمانہ و قید کی سزا سے ڈر کر وہ قفل کی کنجی بیوی کی تحویل میں دے دے۔

جہیز کے متعلق حال ہی میں ایک بل قومی اسمبلی میں پاس ہوا ہے جس میں اسی طرح جہیز کے متعلق غیر معقول اور ناقابلِ عمل قسم کی پابندیاں لگائی گئی ہیں، مثلاً نکاح کے وقت جملہ اجزائے جہیز کی نمائش مجلسِ نکاح میں کی جائے، اُن کی فہرست زوجین کے دستخطوں کے ساتھ نکاح خواں تیار کرے اور اسے ضلعی حکام کے دفتر میں جمع کرائے، اگر اس کی خلاف ورزی ہو یا جہیز حدِ مقرر سے زاید ہو تو والدین کو سزا دی جائے۔ اب حقوقِ نسواں کمیٹی جہیز سے متعلق جو سفارش کر رہی ہے، اس کے بعد غالباً یہ اضافہ بھی کرنا ہوگا کہ میاں بیوی دونوں ایک مدتِ معینہ (مثلاً ہر سہ ماہی یا ششماہی) کے بعد ایک گوشوارہ رجسٹرار نکاح یا دوسرے حکام کے پاس جمع کرائیں اور اس میں بتائیں کہ جہیز کا کتنا حصہ میاں کے قبضے میں ہے اور کتنا بیوی لے چکی یا استعمال کر چکی ہے۔ اس کے بغیر کسی خاص مرحلے پر اگر جہیز کا جھگڑا مقدمے کی صورت میں عدالت کے سامنے جائے گا تو عدالت کے پاس یہ معلوم کرنے کا کیا ذریعہ ہوگا کہ اتنا جہیز خاوند کے پاس تھا جو اس نے بیوی کو نہیں دیا اور اب عدم ادائیگی کے جرم میں وہ جرمانہ یا قید کا مستحق ہے؟ اس طرح کی بے تکی قانون سازی کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا نکل سکتا ہے کہ عوام الناس کو قانون شکنی، حیلہ بازی، جعل سازی اور فضول مقدمہ بازی کی عادت ڈالی جائے اور ان کی گھریلو زندگی کو دائمی کشاکش کی آماجگاہ بنایا جائے۔

خاوند کو "واپسی جہیز" کا قانوناً مکلّف و مسئول بنا دینے کے بعد کمیٹی نے ایک قدم مزید آگے بڑھایا ہے اور دفعہ ۱۲ میں مطلقہ عورت کو طلاق دہندہ کی جائداد میں بھی حصہ دار بنا دینے کی سفارش کر دی ہے۔ یہ دفعہ چونکہ نہایت اہم اور دُور رس نتائج پر مبنی ہے اس لیے ہم قارئین سے معذرت کے ساتھ اس پوری دفعہ کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔ ترجمہ وہی ہے جو وزارت قانون نے کرایا ہے اور وہ یہ ہے:

"کمیٹی شوہر کو قانون کے تحت میسّر طلاق کے حق پر کچھ پابندیاں عائد کرنے کے سوال پر بھی غور کرتی رہی

ہے کیونکہ خاصی زیادہ صورتوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ شوہر بغیر کسی مناسب اور معقول سبب کے اپنے طلاق کے حق کو استعمال کر کے رشتۂ ازدواج ختم کر دیتا ہے۔ بعض اوقات شوہر کی طرف سے (بستر مرگ پر بھی) یہ حق اس خیال کے پیش نظر استعمال کیا جاتا ہے کہ اس کی موت کے بعد بیوی کو اس کی جائداد میں سے حصّہ کا دعویٰ کرنے سے محروم کر دیا جائے خاص طور پر جبکہ زوجہ کی کوئی اولاد نہ ہو۔ کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ شوہر کی طرف سے استعمال کردہ طلاق کے حق کو یہ حکم وضع کر کے روکا جائے کہ زوجہ کو مہر کی ادائیگی اور جہیز کی واپسی کے علاوہ شوہر کو حکم دیا جائے کہ اسے معاوضہ بھی دے جبکہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ پانچ سال سے زیادہ اس کی بیوی کی حیثیت سے رہ چکی ہو۔ لہٰذا کمیٹی سفارش کرتی ہے کہ:

> اگر زوجہ شادی کے بعد پانچ سال یا زیادہ کے لیے اپنے شوہر کے ساتھ رہ چکی ہو، تب شوہر کی طرف سے طلاق کے موثر ہو جانے کی صورت میں، وہ شوہر کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ میں ½ حصّہ وصول کرنے کی مستحق ہوگی۔"

اس دفعہ کو نقل کر دینے کے بعد ہم پہلا سوال جو کمیٹی کے ارکان، بالخصوص اس کے فاضل صدر کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ کے ارشاد کے مطابق جب آپ کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کرنا چاہتے جو قرآن و سنّت کے مخالف ہو تو آپ براہ کرم بتائیں کہ مطلقہ کو اپنے سابق شوہر کی جائداد میں حصّہ دار بنانے کی دلیل کتاب و سنّت کے کس مقام پر مذکور یا کس جگہ سے ماخوذ ہے؟ پہلے جب آپ نے عورت کو یہ حق عطا کرنے کی سفارش فرمائی کہ وہ بیک جنبش قلم ایک نوٹس کے ذریعے سے عقدِ نکاح پر خطِ تنسیخ کھینچ دے تو اس وقت آپ نے کم از کم ایک آیت، ایک حدیث اور ایک فقہی قول تو پیش کیا۔ مگر جب طلاق کے بعد بھی مطلقہ کو آپ نے طلاق دہندہ کی جائداد میں حصّہ دار بنانا چاہا تو آپ نے کوئی دلیل برائے نام بھی اسلامی تعلیمات کی رُو سے نہ دی۔ بس آپ نے شوہر کے حق طلاق پر پابندی کے مسئلے پر غور و خوض کیا اور اس کے بعد یہ تجویز مرتب کر دی۔ اگر آپ کے پیش نظر حق طلاق پر پابندی اور اس کے ناجائز استعمال کی روک تھام ہے تو طلاق بذریعہ نوٹس کا جو حق آپ بیوی کو دلوانا چاہتے ہیں کیا اس حق کا غلط استعمال نہیں ہو سکتا؟ اور کیا اس پر پابندی لگانا ضروری نہیں ہے؟ پھر اس وقت آپ نے شوہر کو اپنی مطلقہ بیوی کی جائداد، جہیز وغیرہ میں سے کیوں حصّہ دلوانا تجویز نہیں کیا؟

اصل بات یہ ہے کہ مغربی تمدن اور اہلِ مغرب کے طور طریقے بعض حضرات کے لیے ایک آئیڈیل اور مثال کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔ وہاں چونکہ یہی رسم اور یہی قانون رائج ہے کہ عورت مرد سے طلاق لینے یا اسے طلاق دینے کے بعد بھی اس سے خرچہ وصول کرتی ہے اور بقیہ مہلتِ حیات سے لطف اندوز ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے روشنی و ترقی کا تقاضا یہی ہے کہ اسی اصول کو یہاں بھی نافذ کیا جائے۔ ۱/۸ کی جو مقدار تجویز کی گئی ہے اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ صاحبِ اولاد متوفّٰی کی بیوہ کا ۱/۸ حصہ جو قرآن میں مقرر کیا گیا ہے شاید قیاس یا اجتہاد کے بل پر وہیں سے مطلقہ کو بھی سابق شوہر کی جائداد کا وارث جاننے کا قاعدہ اخذ کیا گیا ہو۔ اگر ایسا کوئی تصوّر ارکانِ کمیٹی کے ذہن میں ہو تو یہ بالکل فاسد و باطل ہے۔ اسلام کسی شخص کی زندگی میں کسی کو کسی کا وارث نہیں بناتا خواہ وہ مُورِث سے نسبی قرابت ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو بوڑھے والدین اور بالغ و بے سہارا اولاد جسے گھر سے نکال دیا گیا ہو وہ اس کے زیادہ مستحق تھے کہ وہ صاحبِ جائداد بیٹے یا باپ کے وارث اس کی حینِ حیات ہی بن جاتے۔ لیکن مغربی ممالک میں چونکہ ضعیف والدین اپنی خوشحال اولاد کی کمائی سے حصہ پانے کے بجائے دارالغربا اور دارالضعفاء میں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں، اس لیے ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے ہمارے ہاں بھی کوئی کمیٹی نہیں بیٹھے گی۔ بالغ لڑکوں اور لڑکیوں کو گھر سے رخصت کر دیا جاتا ہے اور پھر پلٹ کر ان کی خبر بھی نہیں لی جاتی کہ وہ کس حال میں گذر کر رہے ہیں، لیکن چونکہ وہاں والدین کی منقولہ و غیر منقولہ جائداد میں سے ان کو حصہ نہیں دلوایا جاتا اس لیے یہاں بھی ایسی کسی تجویز پر غور کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ البتہ مغرب میں چونکہ مطلقات اپنے شوہروں کے خرچے پر دادِ عیش دے رہی ہیں، اس لیے یہاں بھی ان کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور ہونا چاہیے ورنہ ہم اور بالخصوص ہمارے ان کی روشنی خیال بیگمات بین الاقوامی کانفرنسوں میں کیا منہ دکھائیں گی؟

بہر کیف مطلقہ کے لیے یہ ۱/۸ حصہ جائداد مقرر کرنے کا کوئی بعید ترین تعلق یا واسطہ بھی اسلامی قانونِ میراث سے نہیں ہے۔ میراث کا حق صرف ترکے میں پیدا ہوتا ہے اور ترکہ وہ ہے جسے مرنے والا مرتے وقت چھوڑ دے۔ پھر ترکے میں حق کسی کی احتیاج کی بنا پر نہیں بلکہ قرابت کی بنا پر پیدا ہوتا ہے نسبی قرابت (مثلاً والدین، اولاد، بھائی بہن کی قرابت) دائمی ہے مگر ازدواجی قرابت عارضی ہے جو طلاق، خلع یا فسخِ نکاح کی صورت میں منقطع ہو جاتی ہے۔ اس کے منقطع ہو جانے پر نہ عورت مرد کی وارث بن سکتی ہے نہ مرد عورت کا وارث ہو سکتا ہے۔ مطلقہ کو سابق شوہر کی جائداد میں سے حصہ دلوانے سے شرعی ورثاء کی لازماً حق تلفی

(باقی بر صفحہ ۴۵)